اسلامی تہذیب کا اساسی و تجزیاتی مطالعہ

عمر حیات*

فطرت سچائی کی متقاضی ہے اور سچائی جو انسانی کردار کی سب سے بڑی خوبی ہے، جس کی بدولت دیگر بہت سی خوبیاں اور اچھی صفات انسان کے اندر پیدا ہو جاتی ہیں ۔ اسی لیے سچائی کو انسان پر لازم کیا گیا ہے۔ حدیث مبارکہ میں اس بات کو ناممکن اور بعید از فہم قرار دیا گیا ہے کہ مسلمان سچ نہ بولتا ہو۔(۱)

قبل از اعلانِ نبوت رسول اللہ ﷺ کی ذات اقدس کی فکری و عملی سچائی کی تصدیق لوگوں کا آپ ﷺ کو ''الصادق'' اور ''الامین'' کہہ کر کرنا تھا اور بعد از اعلان نبوت آپ کا اپنے ہر کمال اور خوبی کو منجانب اللہ قرار دینا آپ ﷺ کی ہمہ گیر صداقت کی سب سے بڑی عقلی دلیل ہے۔

سیّد ابوالاعلی مودودیؒ رسول اللہ ﷺ کی بے مثال راست بازی پر عقلی استدلال پیش کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

> ''۱۴ سو برس پہلے کی تاریخ دنیا میں ۔۔۔ ایک گلہ بانی اور سوداگری کرنے والے ان پڑھ بادیہ نشین کے اندر یکا یک اتنا علم، اتنی روشنی، اتنی طاقت، اتنے کمالات، اتنی زبردست تربیت یافتہ قوتیں پیدا ہو جانے کا کونسا ذریعہ تھا۔۔۔ اگر یہ اسی کے دل و دماغ کی پیداوار تھی تو اس کو نبوت کا نہیں خدائی کا دعویٰ کرنا چاہیے تھا اور اگر وہ ایسا دعویٰ کرتا تو وہ دنیا جس نے رام کو خدا بنالیا۔۔ جس نے مسیحؑ کو آپ اپنی مرضی سے ابن اللہ مان لیا۔ جس نے آگ اور پانی اور ہوا تک کو پوج ڈالا، وہ ایسے زبردست باکمال شخص کو خدا مان لینے سے کبھی انکار نہ کرتی مگر دیکھو! وہ خود کہہ رہا ہے ۔۔۔ کہ میں ایک انسان ہوں تمہی جیسا انسان؛ میرے پاس کچھ بھی اپنا نہیں، سب کچھ خدا کا ہے۔

دیکھو یہ کیسی حیرت انگیز صداقت ہے ۔۔۔ جھوٹا انسان تو بڑا بننے کے لیے دوسروں کے ایسے کمالات کا کریڈٹ بھی لے لینے میں تامل نہیں کرتا جس کے اصل ماخذ کا پتہ بآسانی چل جاتا لیکن یہ شخص ان کمالات کو بھی اپنی طرف منسوب نہیں کرتا جن کو اگر وہ اپنے کمالات کہتا تو کوئی اس کو جھٹلا نہ سکتا تھا۔ کیونکہ کسی کے پاس ان کے اصلی ماخذ تک

* اسسٹنٹ پروفیسر، شعبہ علومِ اسلامیہ، گورنمنٹ کالج یونیورسٹی، فیصل آباد، پاکستان

پہنچنے کا ذریعہ ہی نہیں۔سچائی کی اس سے زیادہ کھلی ہوئی دلیل اور کیا ہوسکتی ہے؟''(۲)

سچائی اسلامی زندگی کا جزو لاینفک ہےجس کے تمام مظاہر سچائی کے آئینہ دار ہوتے ہیں۔ ڈاکٹر نصیر احمد ناصر کہتے ہیں کہ:

''اہلِ علم وحکمت کے لیے صاحب صدق ہونا ناگزیر ہے۔۔۔جب کسی قوم کے اہل علم وحکمت میں صدق کم ہوجاتا ہے تو اس کی تخلیقی صلاحیتوں میں بھی اسی نسبت سے اضمحلال وانحطاط رونما ہوتا ہے۔۔۔بخلاف اس کے صدق سے تخلیقی صلاحیتوں کو قوت واستحکام اورنشو و ارتقاء حاصل ہوتا ہے۔ اور اس کا نتیجہ ثقافت کے نشو وارتقاء کی صورت میں نکلتا ہے۔''(۳)

تخلیقی عمل غوروفکر کا نتیجہ ہے۔اسلام فکروتدبر پر بہت زور دیتا ہے۔اسلام کا پیدا کردہ ہمہ پہلو انقلاب شعور وادراک کو مثبت انداز سے بروئے کار لانے کا نتیجہ ہے' جس نے انسانی زندگی کو نئے زاویوں سے ہمکنار کیا۔ مثبت اندازفکر سچائی اور سچے روّیوں کا آئینہ دار ہوتا ہے۔ چنانچہ وہ تخلیقی عمل اور اجتہاد جس کی بنیاد میں سچائی اور غیر جانبداری کا عنصر کارفرما ہو' ہمیشہ سچائیوں کو منظر عام پر لاتا ہے۔اسلامی تہذیب کی ترتیب وتشکیل اور اس کے نشو وارتقا میں اسی حوالے کی اوّل وآخر کارفرمائی ہے جو اِسے مستحکم اور پائیدار بنیادیں فراہم کرتا ہے۔ اسلام کے پیش کردہ تصورِ تہذیب کا سنگِ اساس نکتۂ توحید ہے جو سب سے بڑی سچائی ہے۔یعنی پوری کائنات کا خالق اللہ وحدہٗ لا شریک ہے۔اس کے علاوہ سب کچھ مخلوق ہے اور مخلوق پر لازم ہے کہ اپنے خالق کے حکم اور قانون کی پیروی یعنی اس کی عبادت کرے۔

''یٰٓاَیُّهَا النَّاسُ اعْبُدُوْا رَبَّكُمُ الَّذِیْ خَلَقَكُمْ وَالَّذِیْنَ مِنْ قَبْلِكُمْ لَعَلَّكُمْ تَتَّقُوْنَ٥الَّذِیْ جَعَلَ لَكُمُ الْاَرْضَ فِرَاشًا وَّالسَّمَآءَ بِنَآءً وَّ اَنْزَلَ مِنَ السَّمَآءِ مَآءً فَاَخْرَجَ بِهٖ مِنَ الثَّمَرٰتِ رِزْقًا لَّكُمْج فَلَا تَجْعَلُوْا لِلّٰهِ اَنْدَادًا وَّاَنْتُمْ تَعْلَمُوْنَ٥ ''(۴)

انسان کوخبر دار کیا جاتا ہے کہ وہ عبادت کرنے سے پہلے غور کرے کہ وہ کس کی عبادت کرنے جا رہا ہے کیونکہ معبود کے لیے خالق ہونا لازم ہے اور خالقِ حقیقی صرف اللہ ہے۔قرآن حکیم بے مثال قوت تخلیق کے حوالے سے خالق برحق کی جن صفات کا تذکرہ کرتا ہے' ان میں غور کرنے سے یہ حقیقت اور بھی زیادہ وضاحت کے ساتھ سامنے آجاتی ہے کہ اس کا کسی بھی لحاظ سے کوئی شریک نہیں۔

قرآنِ حکیم میں ہے کہ اللہ کی ذات وحدہٗ لاشریک اور ہرلحاظ سے بے مثال ذات ہے۔

''لَیْسَ كَمِثْلِهٖ شَیْءٌ''(۵)

عقیدہ توحید الہامی تعلیمات کی قدر مشترک ہے۔ ہر نبیؑ نے اپنی قوم کو بنیادی طور پر یہ تعلیم دی کہ اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں، اس کے سوا کسی کی عبادت روا نہیں، اس کے سوا کسی کا حکم واجب التسلیم نہیں۔

یہ محض دعویٰ نہیں بلکہ اگر انسان از روئے تحقیق اور بہ نظرِ عمیق دیکھے تو توحید اس کے سامنے سب سے بڑی سچائی (The Greatest Reality) کی حیثیت سے سامنے آتی ہے اور وہ محسوس کرتا ہے کہ فطرت کی اولین پکار اور انسانی زندگی کا بنیادی مقصد اسی سچائی کی تلاش اور اس کے ساتھ پر خلوص عملی وابستگی کا اظہار ہے۔

مفتی محمد شفیع لکھتے ہیں:

> ''برق اور بھاپ کے پوجنے والے دانایانِ یورپ اگر اس حقیقت کو سمجھ لیں تو انہیں معلوم ہو جائے گا کہ برق اور بھاپ سے آگے بھی کوئی حقیقت ہے اور حقیقی پاور اور طاقت نہ برق میں ہے اور نہ بھاپ میں، بلکہ سب طاقتوں اور قوتوں کا سرچشمہ اسی ذات حق تعالیٰ کے ہاتھ میں ہے جس نے یہ برق اور بھاپ پیدا کیے۔'' (۶)

اسلامی تہذیب کی روح عقیدہ توحید ہے جو اسے فطرت اور سچائی سے قریب تر کرتا ہے اور اسلامی تہذیب میں اقوامِ عالم کی تہذیبوں کی رہنمائی کرنے کی صلاحیت پیدا ہو جاتی ہے۔اسی ابدی سچائی کی بدولت انسان میں حقیقت پسندانہ اور غیر جانبدارانہ رویہ بیدار ہوتا ہے اور وہ کائنات میں پائی جانے والی حقیقتوں کو تسلیم کرنے پر آمادہ ہوتا ہے۔ اس کی زندگی میں وحدت اور مرکزیت پیدا ہو جاتی ہے جو معاشرے کی تعمیر و ترقی کے لیے بہت ضروری ہے۔لیکن اس کے برعکس اگر انسان اس عقیدے سے انحراف پر اُتر آئے تو وہ سچائی سے دور ہوتا چلا جاتا ہے اور پوری زندگی میں جھوٹ کی آمیزش ہو جاتی ہے۔ بنیادی حقیقت سے انکار کی بدولت باقی تمام سچائیوں کو ماننا بے معنی ہو کے رہ جاتا ہے۔

یہ سب سے بڑا منفی رویہ ہے کیونکہ اس سے زندگی کی وحدت اور مرکزیت ختم ہو جاتی ہے اور انسان غیر فطری رجحانات کا شکار ہو جاتا ہے۔قرآن اس رویے کو شرک سے تعبیر کرتا ہے اور اسے انسان کے لیے سب سے زیادہ خطرناک اور تباہ کن قرار دیتے ہوئے اسے ظلم عظیم ٹھہراتا ہے۔''اِنَّ الشِّرْکَ لَظُلْمٌ عَظِیْمٌ'' (۷)

اللہ کے ساتھ شرک سب سے بڑا جھوٹ ہے اس لیے قرآن شرک کو ''ظلم عظیم'' سے تعبیر کرتا ہے اور مشرکین کو نجس قرار دیتا ہے''انما المشرکون نجس'' (۸) اور صاحبان عقل و دانش سے سوال کرتا ہے کہ:

''اَفَمَن یَّخْلُقُ کَمَنْ لَّا یَخْلُقُ اَفَلا تذکّرون'' (۹)

کیا جو پیدا کرتا ہے وہ اس جیسا ہو سکتا ہے جو پیدا نہیں کر سکتا؟ کیا تم سمجھتے نہیں!

قرآن توحید خالص کا تصور پیش کرتے ہوئے شرک اور باطل پرستی کی جڑ کاٹتا ہے۔اپنے مفہوم کے اعتبار سے تہذیب ایسے افکار ونظریات کا متقاضی تصور ہے جن سے انسان کے تزکیہ نفس اور اصلاح کردار کا مقصد حاصل ہو سکے۔گویا فرسودہ اور باطل افکار وتخیلات سے جنم لینے والی تہذیب حقیقت میں تہذیب کے معنی ومفہوم سے متصادم ہوتی ہے جس سے تزکیہ واصلاح کے عظیم تر مقصد کا حصول ممکن ہی نہیں۔اس کے لیے صرف سچائی اور سچائی پرمبنی افکار ونظریات کی ضرورت ہے۔

اسلامی تہذیب کی آبیاری میں کائنات کی سب سے بڑی سچائی کا اثر ونفوذ ہوتا ہے۔اسلامی معاشرے کا ہرفرد توحید پرست ہونے پر فخر محسوس کرتا ہے۔وہ ہر سچ کو قبول کرتا اور ہر جھوٹ کو رد کرتا ہے۔

اطاعت۔قانون کی حکمرانی

نظام زندگی کی کامیابی کا انحصار اس بات پر ہے کہ اس میں قانون کی حکمرانی کا بھرپور عمل دخل ہو، قانون سب کے لیے یکساں ہو اور کوئی بھی قانون سے بالاتر نہ ہو۔صرف اسی صورت میں معاشرے کو استحکام نصیب ہوسکتا ہے۔ورنہ بدنظمی اور انتشار برپا ہوجاتا ہے جس کے نتیجے میں اقوام کمزور اور زوال پذیر ہوجاتی ہیں۔

اسلام ایسی تہذیب ومعاشرت کا علمبردار ہے جو اول وآخر قانون کی حکمرانی (Rule of law) سے عبارت ہے۔قرآن اسے ''اطاعت واتباع'' کے عنوان سے بیان کرتا ہے۔اللہ وحدہ لاشریک کے احکام وقوانین کی حکمرانی، جن کا اطلاق ونفاذ منہج نبوی ﷺ کے مطابق ہو۔اس بات میں کوئی ابہام نہیں چھوڑا گیا کہ اہل ایمان کی اصلاح وفلاح اللہ اور رسول اللہ ﷺ کی اطاعت اور فرمانبرداری میں مضمر ہے۔یہ اسلامی تہذیب وتشخص کا لازمی جزو ہے کہ ہر فرد مسلم پیکر اطاعت بننے کی بھرپور کوشش کرے۔قرآن حکیم کے مختلف مقامات پر یہ مضمون بیان ہوا ہے۔

''قُلْ اَطِيْعُوا اللّٰهَ وَ الرَّسُوْلَ فَاِنْ تَوَلَّوْا فَاِنَّ اللّٰهَ لَا يُحِبُّ الْكٰفِرِيْنَ''(۱۰)

کہہ دو کہ اللہ اور رسول ﷺ کی اطاعت کرو، پھر اگر وہ پھر جائیں تو بے شک اللہ کافروں کو پسند نہیں کرتا۔

''يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اَطِيْعُوا اللّٰهَ وَاَطِيْعُوا الرَّسُوْلَ وَاُولِي الْاَمْرِ مِنْكُمْ فَاِنْ تَنَازَعْتُمْ فِيْ شَيْءٍ فَرُدُّوْهُ اِلَى اللّٰهِ وَالرَّسُوْلِ اِنْ كُنْتُمْ تُؤْمِنُوْنَ بِاللّٰهِ وَالْيَوْمِ الْاٰخِرِ''(۱۱)

اے ایمان والو! اللہ اور رسول ﷺ کی اطاعت کرو اور اپنے میں سے صاحب امر لوگوں کی، پھر اگر کسی معاملے میں تمہارا اختلاف ہوجائے تو اسے اللہ اور رسول ﷺ کی طرف لوٹا دو اگر تم اللہ اور

یوم آخرت پر ایمان رکھتے ہو۔

”فَاتَّقُوا اللّٰهَ وَ اَصْلِحُوْا ذَاتَ بَيْنِكُمْ وَ اَطِيْعُوا اللّٰهَ وَ رَسُوْلَهٗۤ اِنْ كُنْتُمْ مُّؤْمِنِيْنَ“(۱۲)

اگر تم مومن ہو تو اللہ سے ڈرو، اپنی اصلاح کرو اور اللہ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی اطاعت کرو)

”يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْۤا اَطِيْعُوا اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ وَلَا تَوَلَّوْا عَنْهُ وَاَنْتُمْ تَسْمَعُوْنَ“(۱۳)

اے ایمان والو! اللہ اور اس کے رسول کی اطاعت کرو اور اس سے منہ نہ موڑو اور تم سنتے تو ہو۔

”وَاَطِيْعُوا اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ وَلَا تَنَازَعُوْا فَتَفْشَلُوْا وَتَذْهَبَ رِيْحُكُمْ“(۱۴)

اللہ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی اطاعت کرو اور آپس میں مت جھگڑو ورنہ کمزور ہو جاؤ گے اور تمہاری ہوا اکھڑ جائے گی۔

معلوم ہوتا ہے کہ اسلام میں اطاعت (قانون کی حکمرانی) مرکزی حیثیت کا حامل عنوان ہے۔ اس کے بغیر ایمان معتبر نہیں۔ اس کے بغیر پرہیزگاری نہیں، اصلاح و فلاح نہیں اور قوت و طاقت نہیں۔ یہ امر بھی قابل غور ہے کہ اطاعت کسی کی بھی ہوسکتی ہے بشرطیکہ وہ اصل اطاعت یعنی اللہ اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی اطاعت سے متصادم نہ ہو۔ تنازعہ واختلاف کی صورت میں قرآن وسنت کی طرف رجوع کا حکم دے کر اُمت کو انتشار وافتراق سے محفوظ کرنا مقصود ہے۔ یہ عنوان اسلامی زندگی اور اسلامی تہذیب وثقافت کی روح ہے۔

اسلامی تہذیب کے اساسی وصف کی حیثیت سے اطاعت کا تصور ہمہ گیر ہے جو زندگی کے ہر معاملے میں لازم ہے، خواہ حقوق اللہ ہوں یا حقوق الناس۔ جس طرح ارکان اسلام میں اطاعت رسول ناگزیر ہے اسی طرح دیگر معاملات حیات میں بھی، خواہ انفرادی معاملہ ہو یا اجتماعی، معیشت وتجارت ہو یا سیاست وحکمرانی، علم وادب ہو یا میدان جنگ، امور داخلہ ہوں یا خارجہ، غرض کہ قانون جب تک پوری زندگی میں نافذ نہ ہو قانون کی حکمرانی کا تصور بے معنی رہتا ہے۔

اس غلط فہمی کا ازالہ بھی ضروری ہے کہ اللہ کی اطاعت اور رسول کی اطاعت دو مختلف باتیں ہیں بلکہ اطاعت رسول میں اللہ کی اطاعت مضمر ہے۔ یعنی اللہ کے قانون کی اس کے حکم کے تحت اسی کے مقرر کردہ نمونۂ عمل (اسوۂ حسنہ) کے مطابق بجا آوری، چنانچہ فرما دیا گیا کہ:

”مَنْ يُّطِعِ الرَّسُوْلَ فَقَدْ اَطَاعَ اللّٰهَ“(۱۵)

جو رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی اطاعت کرتا ہے تو اُس نے اللہ کی اطاعت کی۔

اطاعت رسول صلی اللہ علیہ وسلم اسلامی زندگی کی روح ہے۔ اسی میں مسلمان کے لیے دنیا و آخرت کی سرخروئی کا

سامان ہے کیونکہ یہ اُس ذاتِ اقدس کی اطاعت ہے، جس کا ہر قول وعمل وحی الٰہی کی روشنی میں انجام پایا، جسے اللہ نے ''اُسوۂ حسنہ'' قرار دیا۔ اللہ کی بھیجی ہوئی ہدایت میں کوئی شک نہیں ہوسکتا۔ لہٰذا انسان کو کسی تذبذب کا شکار ہوئے بغیر اسلام کے تصورِ اطاعت سے سبق حاصل کرنا چاہیے۔ اسی سے تمام تر آدابِ معاشرہ کا پتہ چلتا ہے اور معاشرہ تہذیب یعنی حسنِ معاشرت سے ہمکنار ہوتا ہے۔

''یٰٓاَیُّھَاالنَّاسُ قَدْ جَآءَ کُمْ بُرْھَانٌ مِّنْ رَّبِّکُمْ وَاَنْزَلْنَآ اِلَیْکُمْ نُوْرًا مُّبِیْنًا''(۱۶)

لوگو! تمہارے ربّ کی طرف سے تمہارے پاس دلیل قطعی آ چکی ہے اور ہم نے تمہاری طرف شفاف نور ہدایت اُتارا ہے۔

برہان قطعی سے مراد بعثتِ محمدی ﷺ ہے جس کی بنیاد قرآن ہے اور قرآن نورِ ہدایت کا سرچشمہ ہے، جو اطاعت کی اہمیت کو اُجاگر کرتا ہے۔ اسی اطاعت کے نتیجے میں محمد رسولؐ اللہ کی ذات ایک فیصلہ کن حقیقت میں اسلامی تہذیب ومعاشرت کی بنیاد قرار پائی ہے۔

اسلامی ریاست اور معاشرے میں رسول اللہ ﷺ کی حیثیت قانون دہندہ، قانون ساز اور حکم (Final authority) کی ہے۔ اللہ نے آپ کی اطاعت کو لازم ٹھہرایا ہے جس سے سرمو انحراف کی بھی گنجائش نہیں۔

یہ اسلامی تہذیب اور معاشرے کا اعزاز ہے کہ اس میں اطاعت کا تصور کسی شخصیت کی رائے کے تابع نہیں بلکہ اللہ کی رضا کے تابع ہے اور کسی کو بھی اپنے ایمان وعمل اور سیرت وکردار کے حوالے سے معتبر ہونے کے لیے اطاعت کے اس وسیع تر تصور سے ہم آہنگ ہونا بہرصورت لازم ہے۔ یہ تصور فرقہ واریت اور اندھی تقلید پر بھی ضرب لگاتا ہے اور اسلامی تہذیب وطرزِ معاشرت کو وحدت کی راہ پر گامزن کرتا ہے۔

ضابطۂ حلال وحرام کی پابندی

حلال وحرام کے حوالے سے اسلام کا دیا ہوا ضابطہ نہایت جامع ہے جس میں تمام تر جزئیات اور کلیات کی وضاحت کر دی گئی ہے۔ اس مناسبت سے حلال وحرام کی تمیز اور اس کے مطابق عملی رویوں کی تشکیل اسلامی تہذیب وتشخص کا لازمی وصف قرار پاتا ہے۔ پیروان اسلام کو اس امر کا پابند کیا جاتا ہے کہ وہ ضابطۂ حلال وحرام سے تجاوز نہ کریں۔ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا:

''**الحلال بین و الحرام بیّن وبینهما امور مشتبهات لایعلمها کثیر من الناس فمن اتقی الشبهات استبراء لدینه و عرضه ومن وّقع فی الشبهات وقع فی الحرام**''(۱۷)

بے شک حلال بھی واضح ہے اور حرام بھی، ان دونوں کے درمیان کچھ مشتبہ اُمور ہیں جنہیں اکثر

لوگ نہیں جانتے، جو شبہات سے بچ گیا اُس نے اپنے دین اور عزت وآبرو کو بچا لیا اور جو شبہات میں پڑ گیا وہ حرام میں مبتلا ہو گیا۔

حلال و حرام کے واضح ہونے سے مُراد یہ ہے کہ اسلامی تعلیمات میں اس بات کی واضح طور پر نشاندہی کر دی گئی ہے کہ کون سی بات، کون سی چیز، کون سا رویہ اور کون سا کام درست اور جائز ہے اور کون سا غلط اور حرام ہے۔ یہ تمیز سکھانے کا مطلب ضابطۂ حلال و حرام کی پابندی کو آسان بنانا ہے۔ اسی طرح مشتبہ اور مشکوک امور کو حرام کے درجے میں شمار کیا گیا ہے تا کہ ان سے بچنا بھی انسان کے لیے آسان ہو جائے۔ ورنہ وہ ہمیشہ تذبذب میں رہتا یا اپنے طور پر ان کو جائز سمجھتے ہوئے گناہ کا ارتکاب کرتا۔ اسلامی تہذیب و معاشرت میں اس ضابطے کو خاص اہمیت حاصل ہے۔

کھانے پینے کے حوالے سے فرمایا گیا:

"يٰٓاَيُّهَاالنَّاسُ كُلُوْا مِمَّا فِي الْاَرْضِ حَلٰلاً طَيِّبًا"(۱۸)

لوگو! جو کچھ زمین میں حلال اور پاکیزہ ہے وہ کھاؤ۔

جن جانوروں کا گوشت کھانا حرام ہے ان کی نشاندہی کرتے ہوئے فرمایا گیا:

"حُرِّمَتْ عَلَيْكُمُ الْمَيْتَةُ وَالدَّمُ وَلَحْمُ الْخِنْزِيْرِ وَمَا اُهِلَّ لِغَيْرِاللّٰهِ بِهٖ وَالْمُنْخَنِقَةُ وَالْمَوْقُوْذَةُ وَالْمُتَرَدِّيَةُ وَالنَّطِيْحَةُ وَمَآ اَكَلَ السَّبُعُ اِلاَّ مَا ذَكَّيْتُمْقف وَمَاذُبِحَ عَلَى النُّصُبِ وَاَنْ تَسْتَقْسِمُوْابِالْاَزْلَامِ ط ذٰلِكُمْ فِسْقٌ"(۱۹)

تم پر مردار، خون اور سوٴر کا گوشت حرام کیا گیا ہے اور وہ جانور بھی جو غیر اللہ کے نام منسوب کیا گیا ہو، اور وہ جانور جو گلا گھٹ کر مر جائے، جو چوٹ لگ کر مر جائے، جو بلندی سے گر کر مر جائے، جو سینگ لگ کر مر جائے اور جسے درندے چیر پھاڑ دیں۔ حرام ہے سوائے اس کے جسے تم اس کے مرنے سے پہلے ذبح کر لو اور جو جانور انصاب یعنی غیر اللہ کو نذرانہ پیش کرنے کے لیے ذبح کیا جائے وہ بھی حرام ہے اور یہ بھی حرام ہے کہ جوئے کے تیروں سے حصوں کا تعین کرو۔ یہ سب گناہ کے کام ہیں۔

بیع اور سود کا فرق واضح کرتے ہوئے ارشاد فرمایا گیا:

"واَحَلَّ اللّٰهُ الْبَيْعَ وَحَرَّمَ الرِّبٰوا"(۲۰)

اللہ نے خرید و فروخت یعنی بیع کو حلال اور سود کو حرام قرار دیا ہے۔

بیع جو شرعی قواعد وضوابط کے مطابق ہو جائز ہے اور رباء یعنی سود کی ہر شکل قطعاً حرام ہے۔مشرکانہ عقائد و نظریات انسان پر حرام ہیں جن کی وجہ سے انسان پر جنت اور اخروی ثواب حرام ہو جاتا ہے۔ارشاد فرمایا گیا:

"اِنَّهٗ مَن يُّشْرِكْ بِاللّٰهِ فَقَدْ حَرَّمَ اللّٰهُ عَلَيْهِ الْجَنَّةَ وَمَاْوٰهُ النَّارُ"(۲۱)

بے شک جو اللہ کے ساتھ شرک کرتا ہے تو اس پر اللہ نے جنت حرام ٹھہرائی ہے اور اس کا ٹھکانہ دوزخ ہے۔

اس ارشاد کی روشنی میں ہر طرح کا مشرکانہ عقیدہ، غیر اللہ کے آستانوں پر حاجت روائی کے لیے حاضری دینا اور مشرکانہ رسوم ادا کرنا حرام ہوا اور اسلامی تہذیب وثقافت کا لازمی شعار قرار پایا۔

حلّت وحرمت کا تعین کرنا صرف اللہ کا حق ہے۔ان لوگوں کے لیے لمحۂ فکریہ ہے جو ایسے فیصلے بھی اپنے ہاتھوں میں لے لیتے ہیں۔ارشاد فرمایا گیا:

" قُلْ مَنْ حَرَّمَ زِيْنَةَ اللّٰهِ الَّتِيْٓ اَخْرَجَ لِعِبَادِهٖ وَالطَّيِّبٰتِ مِنَ الرِّزْقِ"(۲۲)

کہہ دو کہ جو زینت اللہ نے اپنے بندوں کے لیے پیدا کی ہے اسے کس نے (ان کے لیے) حرام کر دیا اور پاکیزہ اشیاء کے رزق کو بھی۔

زیب وزینت اور آرائش وزیبائش انسان کے لیے جائز ہے۔فرق صرف یہ ہے کہ اس سلسلے میں مردوں اور عورتوں کے لیے الگ الگ درجہ بندی کر دی گئی ہے' جس کو ملحوظِ خاطر رکھنا لازم ہے۔

مولانا فتح محمد جالندھری نے لکھا ہے کہ:

''جس طرح کھانے پینے کی چیزوں اور مال کا اُڑانا حرام ہے اسی طرح ان کو ترک کر دینا اور ان سے فائدہ نہ اٹھانا بھی خدا کو ناپسند ہے۔۔۔اگر خدا کسی کو اعلیٰ قسم کی چیزیں کھانے پینے پہننے کو دے تو وہ ان کو چھوڑ کر ادنیٰ درجے کی چیزیں کیوں اختیار کرے۔ایسا کرنا خدا کی سنت کے خلاف ہے۔ اس نے تمام کھانے پینے اور پہننے کی اور زیب وزینت کی چیزیں حلال کی ہیں۔۔۔امام فخر الدین رازی کہتے ہیں کہ اس آیت میں ہر قسم کے لباس اور زیور داخل ہیں۔اگر مردوں کے لیے سونے اور ریشم کا پہننا حرام نہ ہوتا تو عموم آیت ان پر بھی مشتمل ہوتا۔غرض کھانے پینے اور زینت کی اعلیٰ اور اچھی چیزوں کو زہد کی بناء پر ترک کرنا غلطی ہے۔''(۲۳)

کھانے پینے اور زینت کی چیزوں سے مراد صرف وہی چیزیں ہیں جن کے استعمال کو شریعت نے جائز رکھا ہے جو کہ اسلامی تہذیب کا اساسی اصول ہے۔

اسلامی شریعت میں ہر طرح کے فواحش کو حرام ٹھہرایا گیا ہے جو اسلامی تہذیب و تمدن کا ایک امتیاز ہے۔

ارشاد فرمایا گیا:

"قُلْ اِنَّمَا حَرَّمَ رَبِّیَ الْفَوَاحِشَ مَا ظَهَرَ مِنْهَا وَمَا بَطَنَ"(۲۴)

کہہ دو کہ میرے رب نے ظاہر اور چھپی ہوئی بے حیائی کو حرام کیا ہے۔

ازدواجی حوالے سے جو رشتہ و قرابت انسان پر حرام ہے اس کی تفصیل یوں بیان فرمائی گئی:

"حُرِّمَتْ عَلَيْكُمْ اُمَّهٰتُكُمْ وَبَنٰتُكُمْ وَاَخَوٰتُكُمْ وَ عَمّٰتُكُمْ وَ خٰلٰتُكُمْ وَبَنٰتُ الْاَخِ وَبَنَاتُ الْاُخْتِ وَاُمَّهٰتُكُمُ الّٰتِیْٓ اَرْضَعْنَكُمْ وَاَخَوٰتُكُمْ مِّنَ الرَّضَاعَةِ وَاُمَّهٰتُ نِسَآئِكُمْ وَرَبَآئِبُكُمُ الّٰتِیْ فِیْ حُجُوْرِكُمْ مِّنْ نِّسَآئِكُمُ الّٰتِیْ دَخَلْتُمْ بِهِنَّ فَاِنْ لَّمْ تَكُوْنُوْا دَخَلْتُمْ بِهِنَّ فَلَا جُنَاحَ عَلَيْكُمْ وَحَلَآئِلُ اَبْنَآئِكُمُ الَّذِيْنَ مِنْ اَصْلَابِكُمْ وَاَنْ تَجْمَعُوْا بَيْنَ الْاُخْتَيْنِ اِلَّا مَا قَدْ سَلَفَ اِنَّ اللّٰهَ كَانَ غَفُوْرًا رَّحِيْمًا٥"(۲۵)

اے ایمان والو! تم پر تمہاری مائیں اور بیٹیاں اور بہنیں اور پھوپھیاں اور خالائیں اور بھتیجیاں اور بھانجیاں اور رضاعی مائیں اور رضائی بہنیں اور تمہاری بیویوں کی مائیں اور جن عورتوں سے تم مباشرت کر چکے ہو اُن کی لڑکیاں جن کی تم پرورش کرتے ہو، تم پر حرام کر دی گئی ہیں۔ سوائے ان بیویوں کی لڑکیوں کے جن کے ساتھ تم نے مباشرت نہ کی ہو، اُن کے بارے میں تم پر کوئی گناہ نہیں ہوگا اور تمہارے صلبی بیٹوں کی بیویاں یعنی حقیقی بہوئیں اور دو بہنوں کا کسی ایک مرد کے نکاح میں اکٹھا کرنا بھی حرام ٹھہرایا گیا ہے، مگر جو ہو چکا سو ہو چکا، بے شک اللہ معاف کرنے والا رحم کرنے والا ہے۔

معاشرے میں انسانی کردار و عمل اور رویوں کے حوالے سے یہ تعلیمات انتہائی اہمیت کی حامل ہیں ان کے ذریعے ایسی پابندیاں عائد کی گئی ہیں جو فطرت کا لازمی تقاضا ہے اور ان سے تجاوز کی صورت میں انسانی اور حیوانی معاشرے میں کوئی تمیز نہیں رہ جاتی۔ حلال و حرام کے حوالے سے دین اسلام کی تعلیمات کی بدولت اسلامی تہذیب کا ایک اہم عنوان اجاگر ہوتا ہے۔

ضابطۂ حلال و حرام کا اطلاق علوم و فنون پر بھی ہوتا ہے جس کے تحت مسلمانوں کو خبردار کیا جاتا ہے کہ علم و فن کا کون سا انداز ان کے لیے نقصان دہ اور ان کے وقار کے منافی ہے۔ چنانچہ فحاشی اور اخلاقی انحطاط کا سبب بننے والے فنون لطیفہ اسلامی تہذیب میں حرام قرار پاتے ہیں۔

حیاداری

حیا انسان کا فطری جوہر ہے، جس کے تحت انسان برائی سے نفرت کرتا ہے اور ضابطۂ اخلاق کی پابندی کرتے ہوئے اپنے دائرہ کار کے اندر رہتا ہے۔ اسلام میں اس کی اہمیت یہ ہے کہ حیا کو جزو ایمان قرار دیا گیا ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد گرامی ہے:

''الحیاء من الایمان''(۲۶)

شرم و حیا کا تقاضا ہے کہ انسان حق و باطل میں تمیز کرے، برائی کو برائی سمجھے، صنف مخالف کی مشابہت اختیار نہ کرے، فحش گوئی، جھوٹ، ریا کاری اور بدکاری سے اجتناب کرے۔ دانستہ طور پر کوئی ایسا کام نہ کرے جو بعد میں شرمندگی کا باعث بنے۔

فطری تہذیب ہونے کے ناتے اسلامی تہذیب کا لازمی وصف شرم وحیا بھی ہے۔ مسلمانوں کو پابند کیا گیا ہے کہ وہ زندگی کے ہر معاملے میں حیا داری کا مظاہرہ کریں۔ نگاہیں نیچی رکھیں اور خواہش نفس کی پیروی سے گریز کریں۔ قرآن میں ارشاد فرمایا گیا:

''قُلْ لِّلْمُؤْمِنِيْنَ يَغُضُّوْا مِنْ اَبْصَارِهِمْ وَيَحْفَظُوْا فُرُوْجَهُمْ ذٰلِكَ اَزْكٰى لَهُمْ اِنَّ اللّٰهَ خَبِيْرٌۢ بِمَا يَصْنَعُوْنَ ٥ وَقُلْ لِّلْمُؤْمِنٰتِ۔۔۔''(۲۷)

مومن مردوں سے کہہ دو کہ اپنی نظریں نیچی رکھا کریں اور اپنی شرم گاہوں کی حفاظت کریں۔ یہ ان کے لیے بڑی پاکیزگی کی بات ہے اور جو کچھ لوگ کرتے ہیں، اللہ اس سے خوب واقف ہے اور مومن عورتوں سے بھی کہہ دو کہ وہ بھی اپنی نگاہیں نیچی رکھا کریں اور اپنی شرم گاہوں کی حفاظت کیا کریں اور اپنی زیب و زینت کو ظاہر نہ ہونے دیا کریں، مگر جو اس میں سے کھلا رہتا ہو اور اپنے سینوں پر اوڑھنیاں اوڑھے رہا کریں۔

امام قرطبی غضِ بصر کی حکمت بیان کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

البصر هوالباب الاکبر اِلی القلب ' واعمرُ طرق الحواس الیه' وبحسب ذالك کثر السقوط من جهته ' ووجب التحذیر منه' وغضّهُ واجبٌ عن جمیع المحرّمات' وکل من یخشی الفتنة من اجلهِ ' وقد قالؐ:(ایاکم و الجلوس علی الطرقات) فقالوا: یارسول اللّٰه' مالنامن مجالسنا بُدّ نتحدث فیها۔ فقال:(فاذا أبَیْتُم اِلاالمجلس فاعطوا الطریق حقّه) قالوا: ماحق الطریق یا رسول اللّٰهؐ؟ قال غضُّ البصر' وکفّ الاذی وردّ السلام والا مر

بالمعروف والنھی عن المنکر''(۲۸)

دل کی طرف جانے والا سب سے بڑا دروازہ نظر ہے، حواس کے راستے اس کی طرف کھلتے ہیں۔ اِسی وجہ سے اس کی طرف سے اکثر جھکاؤ پایا جاتا ہے۔اس سے بچنا واجب ہے۔تمام محرمات سے نظر نیچی رکھنا واجب ہے اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ تم راستوں میں نہ بیٹھو، صحابہ کرامؓ نے عرض کیا کہ اے اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم! راستوں میں بیٹھتے وقت ہم پر کیا لازم ہے۔فرمایا راستے کا حق ادا کرو۔ انہوں نے پوچھا اے اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم! راستے کا کیا حق ہے؟ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا نظر نیچی رکھنا، تکلیف دہ چیز کو دور کرنا، سلام کا جواب دینا، نیکی کا حکم کرنا اور برائی سے روکنا۔

نامحرم مردوں اور عورتوں کا ایک دوسرے کی طرف دانستہ طور پر دیکھنا حیاداری کے خلاف ہے۔اس سے شہوت کو تقویت ملتی ہے اور اخلاقی برائیاں پیدا ہوتی ہیں۔ چنانچہ نگاہیں نیچی رکھنے کا حکم دیا گیا ہے تا کہ ممکنہ خرابیوں پر قابو پایا جا سکے۔

اسلامی تہذیب حیا داری کی آئینہ دار ہے۔ اہل ایمان کے لیے شرم و حیا لازمی وصف ہے۔ حیا داری کے تحت نگاہیں نیچی رکھنا اور عورتوں کا حجاب میں رہنا ان کے اسلامی تہذیب و تشخص کی علامت ہے۔مغرب نے اسلامی تہذیب کے اس نمایاں پہلو کو فرسودہ ثابت کرنے کے لیے اس کے خلاف منفی پروپیگنڈہ کا سہارا لے رکھا ہے۔جس سے اسلامی معاشرے پر زہریلے اثرات مرتب ہوئے ہیں اور فحاشی کو شہ ملی ہے۔مسلمانوں کے لیے لمحۂ فکریہ ہے کہ وہ مغربی فلسفے کا تجزیہ کریں اور اپنی تہذیب کے حقیقی پیغام کو سمجھنے کی کوشش کریں۔

علم وحکمت

علم وحکمت اور فہم وفراست انسان کا امتیازی وصف ہے جس کی بدولت وہ ہر پہلو سے دوسری مخلوقات پر برتری کا حامل ہے اور اسی کی بناء پر ارتقاء پذیر بھی ہے۔ یہ علمی برتری ہی تھی کہ فرشتوں کو انسان کے آگے تعظیم بجا لانے کا حکم ہوا اور ان کے شکوک وشبہات بھی رفع ہوئے۔

ہدایت اور علم لازم وملزوم ہیں۔ دونوں کا سرچشمہ اللہ وحدہٗ لاشریک کی ذات ہے۔نسل انسانی کے مقصد تخلیق کو پورا کرنے کے لیے رشد و ہدایت کا اہتمام علم الٰہی سے بذریعہ وحی ہوا۔نوع انسانی کی رہنمائی کے لیے انبیائے کرام علیہم السلام کو اللہ کی طرف سے علم وحکمت عطا ہوئے۔

رشد و ہدایت کا سلسلہ ''اِقراء'' ''علم'' اور ''قلم'' کے مقدس الفاظ سے شروع ہوا۔

''اِقْرَاْ بِاسْمِ رَبِّكَ الَّذِیْ خَلَقَo خَلَقَ الْاِنْسَانَ مِنْ عَلَقٍo اِقْرَاْ وَرَبُّكَ الْاَكْرَمُ o الَّذِیْ عَلَّمَ

بِالْقَلَمِo عَلَّمَ الْاِنْسَانَ مَالَمْ يَعْلَمْo"(۲۹)

اے نبی ﷺ! پڑھو اپنے رب کے نام سے جس نے پیدا کیا، جس نے انسان کو جمے ہوئے خون سے پیدا کیا۔ پڑھو اور آپ کا رب سب سے زیادہ عزت والا ہے، جس نے قلم کے ذریعے تعلیم دی۔ اس نے انسان کو وہ سکھایا جو وہ نہیں جانتا تھا۔

حضور سیّد عالم، محمد رسول اللہ ﷺ کے مقاصد بعثت بیان کرتے ہوئے ارشاد فرمایا گیا:

"وَيُعَلِّمُهُمُ الْكِتٰبَ وَالْحِكْمَةَ وَاِنْ كَانُوْا مِنْ قَبْلُ لَفِيْ ضَلٰلٍ مُّبِيْنٍ"(۳۰)

نبی ﷺ لوگوں کو کتاب وحکمت کی تعلیم دیتے ہیں جبکہ اس سے پہلے وہ لوگ کھلی گمراہی میں پڑے تھے۔

قرآن وحدیث علم وحکمت کی خالص ترین شکل ہیں، اس لیے کہ ایک اُمّی شخص کی زبان سے بے مثال فصاحت و بلاغت پر مبنی علم ودانش کا ظہور صرف معجزہ ہی ہوسکتا ہے، جس کے آگے وقت کے سارے ماہرین علم وفن بے بس ہو جائیں۔ اسی علم وحکمت کی بنیاد پر اسلامی معاشرے اور تہذیب وتمدن کو پروان چڑھایا گیا اور ایک جاہلی معاشرہ خالص علمی وفکری معاشرہ بن گیا۔

قرآن حکیم علم وحکمت کی قدر افزائی کرتا ہے۔

"قُلْ هَلْ يَسْتَوِى الَّذِيْنَ يَعْلَمُوْنَ وَالَّذِيْنَ لَايَعْلَمُوْنَ"(۳۱)

کہہ دو بھلا جاننے والے اور نہ جاننے والے برابر ہوسکتے ہیں۔

"يَرْفَعِ اللّٰهُ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا مِنْكُمْلاوَالَّذِيْنَ اُوْتُوا الْعِلْمَ دَرَجٰتٍ"(۳۲)

اللہ تم میں سے اہل ایمان اور اہل علم کے درجات بلند کرتا ہے۔

ایمان وعمل اور علم باہم لازم وملزوم ہیں کیونکہ علم کے بغیر ایمان وعمل کی حقیقت اور تقاضوں کی وضاحت نہیں ہوسکتی۔ علم انسان کی ترقی اور بلندئ درجات کا باعث ہے بشرطیکہ علم کے عملی تقاضے پورے کیے جائیں۔ ورنہ علم محض بھی جہالت کے مترادف ہے۔ امام قرطبیؒ لکھتے ہیں:

"الذين يعلمون هم الذين ينتفعون بعلمهم ويعملون به فامّا من لم ينتفع بعلمه ولم يعمل به فهو بمنزلة من لم يعلم"(۳۳)

جاننے والے وہ ہیں جو اپنے علم سے دانستہ طور پر نفع حاصل کرتے ہیں۔ جہاں تک اس شخص کا تعلق ہے جو اپنے علم سے نفع نہیں اُٹھاتا اور اس کے مطابق عمل نہیں کرتا وہ نہ جاننے والے کے درجے

میں ہے۔

گویا علم سے نفع اٹھانے سے مراد عملی طور پر استفادہ کرنا ہے۔ حدیث میں ایسے علم کو بیکار خزانہ قرار دیا گیا ہے جو نفع آور نہ ہو۔

اسلام نے مسلمانوں پر حصول علم لازم کیا ہے اور ساری زندگی تلاش علم میں رہنے کی تلقین کی ہے، جس سے اندازہ لگایا جاسکتا ہے کہ علم و حکمت اسلامی تہذیب کا لازمی جزو اور اس کی پہچان ہے۔

ڈاکٹر نصیر احمد ناصر لکھتے ہیں:

> ''علم کا عقیدہ اسلام کے ان عقائد جلیلہ ومحرکہ میں سے ہے جنہوں نے اسلامی ثقافت کی صورت گری و نقش گری اور تزئین و تحسین کرنے' نیز اسے حرکی وارتقائی بنانے میں از بس اہم کردار ادا کیا ہے۔ اس عقیدے نے اسلامی ثقافت کے نظری و عملی گوشوں کو وسعت دی اور اس پر ہمہ جہت ترقی کے دروازے کھول دیے۔''(۳۴)

اسلامی علوم وفنون کی تاریخ میں ''دارارقم'' پہلی درسگاہ تھی جسے رسول اللہ ﷺ نے مکہ مکرمہ میں منتخب کیا اور ہجرت کے بعد ''صفہ'' کی درسگاہ قائم کی گئی۔ رسول اللہ ﷺ کے زیر تربیت ان درسگاہوں سے فارغ التحصیل صحابہ کرامؓ نے تھوڑے ہی عرصے میں ایک عالم کو جہالت کے اندھیروں سے نجات دلائی اور ساتھ ساتھ فتوحات کا دائرہ وسیع کرتے ہوئے عدل ومساوات کے اصولوں پر معاشرے کی تشکیل نو کی۔

خلافت راشدہ، عہد بنوامیہ، عہد بنوعباس، اسلامی اندلس اور عثمانی ترکوں کے عہد میں اسلامی علوم وفنون نے مرحلہ وار ترقی کی اور ایک وقت آیا کہ مسلمانوں کی تحریک علم، جدید زبان میں باقاعدہ سائنس کا درجہ حاصل کر گئی اور پوری دنیا کو اپنے دیرپا اثرات کی لپیٹ میں لے لیا۔ چنانچہ قرون وسطیٰ کا دَور علم و حکمت کے حوالے سے صرف اور صرف مسلمانوں کے ساتھ منسوب ہوا، جب کہ یورپ پر جہالت اور توہم پرستی کے گہرے بادل چھائے ہوئے تھے۔

سید امیر علی لکھتے ہیں:

> ''شاعری، خطابت اور نجوم ماقبل اسلام کے عربوں کے مرغوب مشغلے تھے لیکن سائنس اور ادب کے دلدادہ مفقود تھے۔ ہادیٔ اسلام ﷺ کی تلقین نے عرب قوم کی سوئی ہوئی قوتوں کو جگا کر ان میں ایک نئی حرکت پیدا کردی، آپ ﷺ کی مدت حیات کے اندر ہی ایک تعلیمی ادارے کی داغ بیل پڑ گئی جس کی بنیاد پر آئندہ سالوں میں بغداد۔۔۔ قاہرہ اور قرطبہ کی یونیورسٹیاں قائم

ہوئیں۔''(۳۵)

اسلام دین حکمت ہے اور انسان کو تلاش حکمت کی ترغیب دیتا ہے۔اسی تحریک کے تحت مسلمانوں نے علم و حکمت کے مختلف میدانوں میں قابلِ قدر خدمات انجام دیں۔غیر اقوام کی تہذیب سے شناسائی حاصل کرنے کے لیے ان کی قدیم کتابوں کے وسیع پیمانے پر تراجم اس سلسلے کی اہم کڑی ہیں۔اس کام کو بہت منظّم انداز سے انجام دیا گیا۔

محمد سعود لکھتے ہیں کہ:

> "A number of academies were established by the rulers at many places in the Muslim world to carry out the work of translation. These academies under took the translation of the main Greek works on philosophy, astronomy, mathematics, medicine and other sciences. The first such academy named Bait-al- Hikmah (House of wisdom) was set up by the caliph al-Ma-mun. This academy contained a library and an observatory. An other such institution was founded by the Fatimi rulers in Egypt. During the reign of Abbasi caliphs particularly, al-Mansur and al-Ma-mun extensive activity was shown in the preparation and translation of scientific works."(36)

> ترجمے کا کام سرانجام دینے کے لیے مسلم حکمرانوں کی طرف سے عالم اسلام کے اندر مختلف مقامات پر بڑی تعداد میں اکادمیاں قائم کی گئیں۔ جہاں فلسفہ، فلکیات، ریاضیات، طب اور دوسرے سائنسی علوم کی بڑی بڑی یونانی کتابوں کے تراجم کئے گئے۔اس قسم کی پہلی اکادمی کا نام''بیت الحکمۃ'' ہے جوخلیفہ مامون الرشید نے قائم کی۔ یہ اکیڈمی ایک لائبریری اور تجربہ گاہ پر مشتمل تھی۔اسی طرح کا ایک اور ادارہ مصر میں فاطمی حکمرانوں نے قائم کیا تھا۔عباسی خلفاء کے دورحکومت، خاص طور پر المنصور اور المامون کے دور میں سائنسی علوم کی تحقیق اور ترجمے کے کام میں گہری سرگرمی کا مظاہرہ کیا گیا۔

فریضۂ امر بالمعروف ونہی عن المنکر کا شعور

اسلام کا بنیادی مقصد انسانی معاشرے کو عمل صالح سے ہمکنار اور برائی سے پاک کرنا ہے۔یہ کام خود بخود انجام نہیں پاتا بلکہ اس کے لیے افراد کی تربیت اور ذہن سازی کی جاتی ہے کہ وہ اچھائی اور برائی میں تمیز کرسکیں، اچھائی پر کاربند رہتے ہوئے دوسروں کو اچھے کاموں کی طرف راغب کریں اور برائی سے روکیں۔اس لحاظ سے یہ

ایک اہم فریضہ ہے جو امتِ مسلمہ کے افراد پر عائد ہوتا اور اسلامی تہذیب کے نمایاں وصف کے طور پر سامنے آتا ہے۔

''وَلْتَكُنْ مِّنْكُمْ اُمَّةٌ يَّدْعُوْنَ اِلَى الْخَيْرِ وَيَاْمُرُوْنَ بِالْمَعْرُوْفِ وَيَنْهَوْنَ عَنِ الْمُنْكَرِ وَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْمُفْلِحُوْنَ''(۳۷)

اور تم میں ایک جماعت ایسی ہونی چاہیے جو لوگوں کو نیکی کی طرف بلائے، اچھے کام کرنے کا حکم دے اور برے کاموں سے روکے، یہی وہ لوگ ہیں جو فلاح پانے والے ہیں۔

''امر بالمعروف اور نہی عن المنکر'' جو منصب نبوت کے تقاضوں میں سے ہے، دین اور رسالت کے مکمل ہونے پر اُمتِ مسلمہ کے سپرد کیا گیا تا کہ اللہ کا مکمل کردہ دین فی زمانہ نسل انسانی تک پہنچتا رہے اور اچھائی اور برائی کے حوالے سے ان کو برابر یاد دہانی کرائی جاتی رہے۔

حضور سیّد عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے حجۃ الوداع کے موقع پر ارشاد فرمایا تھا:

''بلغوا عنی ولوآیۃ''(۳۸)

اُمتِ مسلمہ کا یہ اعزاز ہے جس کی بدولت یہ ''خیرالامم'' قرار پائی، جیسا کہ قرآن میں فرمایا گیا ہے:

''كُنْتُمْ خَيْرَ اُمَّةٍ اُخْرِجَتْ لِلنَّاسِ تَاْمُرُوْنَ بِالْمَعْرُوْفِ وَ تَنْهَوْنَ عَنِ الْمُنْكَرِ وَ تُؤْمِنُوْنَ بِاللّٰهِ''(۳۹)

تم بہترین امت ہو جسے لوگوں کی بھلائی کے لیے میدان عمل میں لایا گیا ہے۔ تم لوگوں کو نیکی کا حکم دیتے ہوئے برائی سے منع کرتے ہو اور اللہ پر ایمان رکھتے ہو۔

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

''من رائ منکم منکراً فلیغیره بیده فان لم یستطع فبلسانه فاِن لم یستطع فبقلبه وذالك اضعف الایمان''(۴۰)

تم میں سے جو کوئی برا کام دیکھے اسے چاہیے کہ اپنے ہاتھ سے روکے، اگر اس کی طاقت نہ ہو تو زبان سے روکے پھر اگر اس کی بھی طاقت نہ ہو تو دل سے برا جانے اور یہ کمزور ترین ایمان کی نشانی ہے۔

ایک اور حدیث میں ہے:

''قال والذی نفسی بیده لتامُرُنَ بالمعروف ولتنهَوُنَّ عن المنکر اَولَیُو شِکَنَّ اللّٰه اَنْ یَّبْعَث

علیکم عقاباً منه ثم تدعُونه فلا یَستَجِیبُ لکم''(۴۱)

رسول اللہ ﷺ نے فرمایا اس ذات کی قسم جس کے قبضے میں میری جان ہے تم ضرور نیکی کا حکم دیتے رہو اور برائی سے روکتے رہو، ورنہ عنقریب اللہ تعالیٰ تم پر عذاب نازل فرما دے گا۔ پھر تم اس سے دعا کرو گے تو وہ قبول نہیں کی جائے گی۔

فریضہ امر بالمعروف ونھی عن المنکر کے تقاضوں کو پورا کئے بغیر اسلامی تہذیب وتشخص کے اصل تاثر کو نمایاں نہیں کیا جاسکتا کیونکہ اس سے انحراف دین کی روح سے انحراف ہے۔ بایں وجہ حدیث میں عذاب کی وعید سنائی گئی ہے اور تاریخ شاہد ہے کہ مختلف اقوام عالم مختلف قسم کے عذابوں سے دو چار ہوچکی ہیں؛ جن میں سے کئی ایک کا حوالہ قرآن میں موجود ہے۔

الشیخ احمد بن حجر بیان کرتے ہیں:

''رہی پچھلی قومیں تو جو لوگ قرآن پاک پڑھتے اور سنتے ہیں، وہ بخوبی جانتے ہیں کہ ان قوموں پر کون کون سا عذاب آیا، ان میں کتنوں کو اللہ نے دریا میں ڈبو دیا، کتنوں کو زمین کے اندر دھنسا دیا، کتنوں کو زوردار چیخ کے ذریعے موت کے گھاٹ اُتار دیا اور ان میں کتنے ایسے تھے جن کی صورتوں کو مسخ کر کے انہیں بندر اور سوٴر بنا ڈالا۔''(۴۲)

اقوام کے عبرتناک واقعات کے تذکرے سے مراد اس اہم نکتے کو بیان کرنا ہے کہ ''امر بالمعروف اور نہی عن المنکر'' ہر دور میں اسلامی تعلیمات کا خاص عنوان اور اسلامی تہذیب کا جزو لاینفک رہا ہے، جس سے روگردانی قابلِ سزا جرم ہے۔ قرآن میں ہے کہ ایسی روگردانی کا ارتکاب کرنے والوں پر انبیاء کرامؑ کی زبانی لعنت کی گئی تھی۔

''لُعِنَ الَّذِیْنَ کَفَرُوْا مِنْ بَنِیْٓ اِسْرَآءِیْلَ عَلٰی لِسَانِ دَاوٗدَ وَعِیْسَی ابْنِ مَرْیَمَ ذٰلِکَ بِمَا عَصَوْا وَّکَانُوا یَعْتَدُوْنَ o کَانُوْالَا یَتَنَاهَوْنَ عَنْ مُّنْکَرٍ فَعَلُوْهُ لَبِئْسَ مَاکَانُوْا یَفْعَلُوْنَ''(۴۳)

بنی اسرائیل میں سے کافروں پر داؤدؑ اور عیسیٰؑ ابن مریم کی زبانی لعنت کی گئی کیونکہ وہ نافرمانی کرتے تھے اور حد سے تجاوز کرتے تھے۔ وہ ایک دوسرے کو برے کاموں سے نہیں روکتے تھے جو وہ کرتے تھے۔ جو وہ کرتے تھے بہت برا تھا۔

تفسیر قرطبی میں ہے:

''مجاہدؒ اور قتادہؒ نے کہا کہ ان پر لعنت ان کو بندروں اور خنزیروں کی شکل میں مسخ کر کے کی گئی۔ ابو

مالک نے کہا کہ جن لوگوں پر حضرت داؤد کی زبان سے لعنت کی گئی ان کو بندر بنا دیا گیا اور جن کو عیسیٰؑ کی زبان سے ملعون کیا گیا انہیں سؤر بنایا گیا اور حضرت ابن عباسؓ نے کہا کہ جن پر حضرت داؤدؑ کی زبانی لعنت کی گئی وہ اصحاب سبت تھے اور عیسیٰؑ کی زبان سے ملعون ہونے والے وہ تھے جنہوں نے مائدہ نازل ہونے کے بعد کفر کیا تھا۔'' (۴۴)

قرآن کی رو سے ان لوگوں کا جرم یہ تھا کہ وہ آپس میں ایک دوسرے کو برے کاموں سے نہیں روکتے تھے۔ اسلامی تہذیب کی ایک لازمی صفت کے طور پر اس بات کا جائزہ لینے کی ضرورت ہے کہ کیا آج اسلامی معاشرے کے افراد اس ذمے داری کو محسوس کرتے ہیں؟ برائی اور ظلم کے خلاف موثر آواز اٹھانا اور لوگوں کو اچھائی کا راستہ دکھانا اُمتِ مسلمہ پر واجب ہے۔ دنیا کی کسی اور تہذیب میں ایسا اہتمام نہیں ملتا۔

''امر بالمعروف اور نہی عن المنکر'' کے مفہوم میں اس قدر وسعت ہے کہ اس میں ہر اچھائی کا حکم دینا اور ہر برائی سے روکنا شامل ہے خواہ چھوٹی ہو یا بڑی۔

امت وسطیٰ کا تصور:

اعتدال، عدل سے ہے یعنی کسی چیز کو اس کے مناسب مقام پر رکھنا، بروقت کام کرنا، برمحل بات کرنا، حقدار کو اس کا پورا پورا حق پہنچانا، حکم کی تعمیل کرنا، افراط وتفریط سے بچ کے رہنا یعنی میانہ روی یا راہِ اعتدال اختیار کرنا۔

اعتدال بھی اسلامی تہذیب کے بنیادی اوصاف میں سے ہے۔ اسلامی معاشرے کے افراد اس بات کے پابند ہیں کہ وہ افراط وتفریط سے گریز کریں اور من وعن احکام وقوانینِ دین پر عمل پیرا ہوں۔ قرآن حکیم اسے امت مسلمہ کی صفت کے طور پر بیان کرتا ہے۔

" وَكَذٰلِكَ جَعَلْنَاكُمْ اُمَّةً وَّسَطاً لِّتَكُوْنُوْا شُهَدَآءَ عَلَى النَّاسِ وَيَكُوْنَ الرَّسُوْلُ عَلَيْكُمْ شَهِيْدًا'' (۴۵)

اسی طرح ہم نے تمہیں امت وسطیٰ (معتدل ومتوازن امت) بنایا تا کہ تم لوگوں پر گواہ بنو اور رسول ﷺ تم پر گواہ بنیں۔

ڈاکٹر ملک غلام مرتضیٰ لکھتے ہیں:

''مسلمانوں کو امت وسط قرار دے دیا گیا کہ وہ شہادت حق کا فریضہ انجام دیں، درمیانی امت سے مراد وہ اُمت ہے جو عدل ومساوات پر چلنے اور پوری انسانیت پر گواہ ٹھہرنے والی اور اللہ اور اس کے رسول ﷺ کو اپنے اُوپر گواہ بنانے والی ہے۔'' (۴۶)

صاحب ''معارف القرآن'' مفتی محمد شفیع امت وسطیٰ کی وضاحت میں لکھتے ہیں:

''پچھلی اُمتوں میں آپ ایک طرف یہ بے اعتدالی دیکھیں گے کہ انسانی حقوق کی کوئی پرواہ نہیں، حق ناحق کی کوئی بحث نہیں، اپنی اغراض کے خلاف جس کو دیکھا اس کو کچل ڈالا۔۔۔ دوسری طرف یہ سفیہانہ رحم لی کہ۔۔۔ خدا کے حلال کیے ہوئے جانوروں کے گوشت و پوست سے نفع اُٹھانے کو ظلم سمجھیں، اُمتِ محمدیہ اور اس کی شریعت نے ان سب بے اعتدالیوں کا خاتمہ کیا، ایک طرف انسان کو انسان کے حقوق بتلائے۔۔۔ اور دوسری طرف ہر چیز کی حد مقرر فرمائی، جس سے آگے بڑھنے اور پیچھے ہٹنے کو جرم قرار دیا۔'' (۴۷)

اعتدال، اُمتِ مسلمہ کی اجتماعی صفت اور اسلامی تہذیب و ثقافت کے نمایاں خدوخال میں سے ہے جس کے تحت مسلمانوں کی زندگیوں میں عقیدہ و ایمان اور کردار وعمل کے ہر پہلو کے حوالے سے توازن (Balance) پیدا ہوتا ہے۔ مثال کے طور پر دن میں پانچ نمازیں فرض ہیں تو کوئی اپنی مرضی سے چار یا چھ نمازیں فرض قرار نہیں دے سکتا۔ فرضیت صیام صرف ماہ رمضان میں ہے، کوئی آگے پیچھے نہیں کرسکتا۔ عیدیں صرف دو مقرر کی گئی ہیں، کوئی ترمیم واضافہ نہیں کرسکتا۔ حلال وحرام کا حتمی تعین کردیا گیا، کوئی تبدیلی کرنے کا مجاز نہیں۔ ہر طرح کا دائرہ کار طے کردیا گیا ہے، کسی کو کمی بیشی کا اختیار نہیں۔ ورنہ نتیجہ وہی ہوگا جو ضرورت سے کم یا ضرورت سے زائد کھانے پینے کا ہوتا ہے۔

اعتدال کا دوسرا مطلب خواہشات کو "Chanalize" کرنا بھی ہوسکتا ہے۔ چنانچہ زندگی میں اعتدال اور میانہ روی پیدا کرنے کے لیے خواہشات کو شریعت کے تابع کرنا لازم ٹھہرایا گیا۔ فرض کیا ایک شخص حصول ثواب کے لیے کچھ کرنا چاہتا ہے، لیکن اگر وہ اس معاملے میں شریعت کا پابند نہیں تو اس کا اچھے سے اچھا عمل بھی حد سے تجاوز کے زمرے میں آئے گا اور وہ بے اعتدالی کا مرتکب ہوگا۔ اسی طرح بدعات کو رواج دینا بھی اعتدال کے منافی رویہ ہے جس کی مذمت کی گئی ہے۔

اسلامی تہذیب کے اس پہلو کو اُجاگر کرنا اس لیے بھی ضروری ہے کہ امت مسلمہ کی صفت اعتدال، شہادت حق کے ساتھ وابستہ کی گئی ہے۔ گویا دین اسلام اور گزشتہ اقوام کے حوالے سے جو فیصلہ کن احکام وقوانین اور اوامرو نواہی اس اُمت کو پہنچے ہیں وہ اس کے پاس امانت ہیں۔ اسی حق وصداقت کی بناء پر اس امت کو گزشتہ اقوام کے احوال اور رویوں پر بطور گواہ پیش کیا جائے گا اور اس کی گواہی کی تصدیق وتائید کے لیے محمد رسول اللہ ﷺ کو بطور گواہ پیش کیا جائے گا۔ شہادت حق کا یہ اعزاز جس قدر عظیم ہے اسی قدر امت مسلمہ پر بھاری ذمہ داری بھی عائد کرتا

ہے۔اس ذمے داری کا لازمی تقاضا یہ ہے کہ اعتدال کا وسیع تر مفہوم سمجھا جائے اور ہر صورت میں میانہ روی کا دامن تھاما جائے۔

تکریم انسانی کا شعور:

اللہ کے نزدیک بہترین مخلوق انسان ہے، جس کا مقصد تخلیق قانون فطرت کے مطابق زندگی گزارنا ہے۔ یہ کام صرف انسان کرسکتا ہے کیوں اسے قوت فکر و فیصلہ کی صلاحیت ودیعت کی گئی ہے ۔ احترام انسانیت قانون فطرت کے تقاضوں میں سے ہے ۔قرآن حکیم میں مختلف مقامات پر انسان کے مقام و مرتبے کی وضاحت کرتے ہوئے احترام انسانیت پرزور دیا گیا ہے۔

''لَقَدْ خَلَقْنَا الْاِنْسَانَ فِیْ اَحْسَنِ تَقْوِیْمٍ''(۴۸)

ہم نے انسان کو احسن تقویم پر پیدا کیا ہے۔

بے شمار مخلوقات میں سے احسن تقویم کی ترکیب صرف انسان کیلیے استعمال ہوئی ہے' گویا انسان فطری طور پر ظاہری شکل وشباہت اور مقصد زندگی کے لحاظ سے ممتاز ہے' جو اس کیلیے باعثِ صد افتخار بات ہے۔

''وَلَقَدْ كَرَّمْنَا بَنِیْٓ اٰدَمَ وَحَمَلْنٰهُمْ فِی الْبَرِّ وَالْبَحْرِ وَرَزَقْنَاهُمْ مِنَ الطَّيِّبٰتِ وَفَضَّلْنٰهُمْ عَلٰى كَثِيْرٍ مِّمَّنْ خَلَقْنَا تَفْضِيْلًا''(۴۷)

اور ہم نے بنی آدم کو عزت بخشی اور ان کو خشکی اور سمندر میں سواری دی اور پاکیزہ روزی عطا کی اور بہت سی فضیلت والی مخلوقات پر فضیلت دی۔

معلوم ہوتا ہے کہ انسان کو بکمال اہتمام عزت وتکریم سے نوازا گیا ہے ۔ روئے زمین پر سواری کا انتظام' رزق حلال کی فراہمی اور دیگر مخلوقات پر برتری سے مقام انسانیت کی منفرد حیثیت پر بھرپور روشنی پڑتی ہے۔ علامہ قرطبیؒ اپنی تفسیر میں بیان کرتے ہیں:

''وهذه الكرامة يد خل فيها خلقهم على هذه الهيئة فى امتداد القامة وحسن الصورة ' وحملهم فى البر والبحر ممّا لا يصح لحيوان سوى بنى آدم ان يكون يتحمل بارادته وقصده و تدبيره۔ وتخصيصهم بما خصّهم به من المطاعم والمشارب والملابس''(۵۰)

اس تعظیم وتکریم میں انسانوں کا طویل القامت ہیئت اورحسنِ صورت پر پیدا کیا جانا اور ان کو خشکی اور سمندر میں سواری کا مہیا کیا جانا شامل ہے۔انسانوں کے علاوہ کوئی اور مخلوق اپنے ارادے اور

فیصلے کے اعتبار سے ان باتوں کی اہل نہیں اور انسانوں کو کھانے پینے اور لباس میں بھی درجہ فضیلت حاصل ہے۔

مفتی محمد شفیع لکھتے ہیں:

''سب سے بڑی فضیلت عقل وشعور کی ہے جس سے وہ اپنے خالق اور مالک کو پہچانے اور اس کی مرضی اور نامرضی کو معلوم کر کے مرضیات کا اتباع کرے اور نامرضیات سے پرہیز کرے۔'' (۵۱)

معلوم ہوا کہ فطری طور پر انسان کو سب سے زیادہ عزت وتکریم اور وقار واحترام سے سرفراز کیا گیا ہے۔ دینِ فطرت اس عنوان کو خوب اجاگر کرتا ہے اور اسے ایک ایسی صفت اور خوبی کے طور پر بیان کرتا ہے جس سے مزین ہوئے بغیر انسان صحیح معنوں میں معاشرے کی تشکیل نہیں کرسکتا۔ فطری وقار کو برقرار رکھنے کے لیے ضروری ہے کہ ''احترام انسانیت'' کے عنوان پر اس پہلو سے غور کیا جائے کہ یہ فطری وآفاقی (اسلامی) تہذیب کا وصف لازم ہے جس کو فرد کے کردار اور معاشرے کے قیام میں بنیادی حیثیت حاصل ہے۔

ڈاکٹر ملک غلام مرتضیٰ ''انوار القرآن'' میں سورۃ الاسراء کی آیت نمبر ۷۰ کے حوالے سے رقم طراز ہیں:

''انسان نے اپنے مقام کو بہت حد تک گرا دیا تھا۔ یہاں پھر اس کے بلند اور صحیح مقام کا ذکر ہوا کیوں کہ انسان نے اپنے آپ کو ذات پات کی بندشوں کی بنیاد پر کئی ذاتوں میں تقسیم کر لیا اور یہ عقیدہ گھڑا کہ کچھ لوگ بھگوان کے سر سے پیدا ہوئے ہیں کچھ بھگوان کے پاؤں سے۔ جو سر سے پیدا ہوئے ہیں وہ ہمیشہ کے لیے پاک اور پوتر ہیں۔۔۔ جو پاؤں سے پیدا ہوئے ہیں' وہ ہمیشہ کے لیے ناپاک ہیں۔۔۔ دوسری جانب یہ عقیدہ گھڑا گیا کہ حضرت آدمؑ سے لغزش ہوئی اور یہ لغزش ایسا گناہ ہے جو نسل در نسل، پشت در پشت منتقل ہوتے ہوئے ہم تک پہنچ گیا ہے۔ وہ گناہ اتنا بڑا تھا کہ کروڑوں انسانوں میں تقسیم ہو کر بھی وہ تحلیل نہیں ہوا۔۔۔

جاہلوں نے انسان کا رتبہ ایک معمہ بنا دیا۔ اللہ تعالیٰ نے حضور ﷺ کو بھیجا تو انسان کی اس تکریم کا ذکر فرمایا کیوں کہ اس سے پہلے بھی اور اس کے بعد بھی انسان کو یہ عزت نہ مل سکی۔'' (۵۲)

اسلام میں ''احترام انسانیت'' کو اسلامی تہذیب میں لازمی صفت کی حیثیت حاصل ہے اور اہلِ اسلام پر لازم ہے کہ وہ حقوق انسانی (Human Rights) کی مکمل پاسداری کرتے ہوئے حقوق وفرائض میں توازن برقرار رکھیں۔ کیونکہ احترام انسانیت کا اول وآخر عملی تقاضا یہی ہے کہ حقوق انسانی کی پامالی نہ ہو۔

چنانچہ اس بات کی شدت سے مذمت کی گئی ہے کہ کوئی شخص کسی دوسرے کو بلاعذر دانستہ طور پر قتل کرے

اور زمین میں فساد پھیلائے۔

"مَنْ قَتَلَ نَفْسًا بِغَيْرِ نَفْسٍ اَوْ فَسَادٍ فِي الْاَرْضِ فَكَاَنَّمَا قَتَلَ النَّاسَ جَمِيْعًا ط وَمَنْ اَحْيَاهَا فَكَاَنَّمَآ اَحْيَا النَّاسَ جَمِيْعًا"(۵۳)

جس نے کسی جان کو بغیر کسی جان کے بدلے قتل کیا یا زمین میں فساد پھیلایا تو گویا اس نے پوری نسل انسانی کو قتل کیا اور جس نے کسی کی جان بچائی تو گویا اس نے پوری نسل انسانی کو بچایا۔

دین فطرت کی رو سے کسی کا قتل اس قدر گھناؤنا جرم ہے کہ اسے پوری نسل انسانی کے قتل کے مترادف قرار دیا گیا ہے۔حق زندگی معاشرتی حوالے سے انسان کا سب سے بڑا حق ہے اوراس کی پامالی انسانی حقوق کی پامالی کی بدترین مثال ہے۔ یہی وجہ ہے کہ احترام انسانیت کے لیے انسانی حقوق کو مکمل تحفظ فراہم کرتے ہوئے حدود و تعزیرات کا نظام متعارف کرایا گیا۔ چنانچہ قتل عمد کی صورت میں قصاص یا دیت، چوری کی صورت میں قطع ید، آبروریزی کی صورت میں کوڑے اور رجم، ڈاکہ زنی کی صورت میں جلاوطنی اور قطع اعضاء وغیرہ۔

فساد فی الارض کی کوئی بھی صورت احترام انسانیت کے تقاضوں سے متصادم ہے۔ اسلامی تہذیب میں ایسے کسی بھی عنصر کی حوصلہ افزائی نہیں کی جاتی۔ بلکہ ایسے عناصر کے خلاف قانون کوحرکت میں لاکر ان کو عبرت ناک سزائیں دی جاتی ہیں، مقصد صرف انسانی حقوق کا احترام سکھانا ہے۔ یہ مقصد صرف اخلاقیات سے حاصل نہیں کیا جاسکتا بلکہ فسادی عناصر کی عملاً سرکوبی ضروری ہوتی ہے۔

"اِنَّمَا جَزٰٓؤُا الَّذِيْنَ يُحَارِبُوْنَ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ وَيَسْعَوْنَ فِي الْاَرْضِ فَسَادًا اَنْ يُّقَتَّلُوْٓا اَوْيُصَلَّبُوْٓا اَوْتُقَطَّعَ اَيْدِيْهِمْ وَاَرْجُلُهُمْ مِّنْ خِلَافٍ اَوْيُنْفَوْا مِنَ الْاَرْضِ"(۵۴)

جولوگ اللہ اور اس کے رسول ﷺ سے لڑائی کریں اور زمین میں فساد کرنے کو دوڑتے پھریں۔ ان کی یہی سزا ہے کہ قتل کر دیے جائیں یا سولی چڑھا دیے جائیں یا ان کے ایک ایک طرف کے پاؤں کاٹ دیے جائیں یا وہ ملک سے نکال دیے جائیں۔

اللہ اور رسول ﷺ یعنی دین فطرت کے خلاف لڑائی کرنا سب سے بڑی بغاوت ہے جس کے نتیجے میں معاشرے میں انتشار اور فساد پھیلتا اور حقوق انسانی پامال ہوتے ہیں۔ لہٰذا سخت سزا تجویز کی گئی۔

عصر حاضر انسانی حقوق کی سنگین خلاف ورزیوں کا دور ہے۔ بدترین جرائم کا ارتکاب ہورہا ہے۔ دنیا کی بڑی طاقتیں، کمزور اقوام پر مظالم ڈھارہی ہیں اور جنگی جرائم ہورہے ہیں۔ ایسے میں اسلامی تہذیب یہ سبق دیتی ہے کہ قانون فطرت کا نفاذ عمل میں لایا جائے تاکہ معاشرہ داخلی اور خارجی دونوں طرح سے جرائم سے پاک ہو اور لوگ

ایک دوسرے کے حقوق کا احترام کریں۔

حوالہ جات وحواشی

(۱) مالک بن انس، الامام، الموطا، تحقیق وتعلیق: ڈاکٹر بشار عواد معروف(دارالغرب الاسلامی، بیروت، طبع ثانی: ۱۹۹۷ء) ۵۸۹/۲

(۲) مودودی، سیرت سرور عالم ﷺ، مرتبین: نعیم صدیقی، عبدالوکیل علوی(ادارہ ترجمان القرآن لاہور، طبع چہارم: ۱۹۸۳ء) ۱۲۰/۱۔۱۲۱

(۳) ناصر، نصیر احمد، ڈاکٹر، اسلامی ثقافت، فیروزسنز، لاہور وغیرہ، س ن، ص:۵۱۴، ۵۱۵

(۴) البقرہ،۲: ۲۱، ۲۲

(۵) الشوریٰ،۴۲: ۱۱

(۶) محمد شفیع، مفتی، معارف القرآن (ادارۃ المعارف کراچی) ۱۳۸/۱

(۷) لقمان۳۱: ۱۳

(۸) التوبہ،۹: ۲۸

(۹) النحل،۱۶: ۱۷

(۱۰) آل عمران،۳: ۳۲

(۱۱) النساء،۴: ۵۹

(۱۲) الانفال،۸: ۱

(۱۳) الانفال،۸: ۲۰

(۱۴) الانفال،۸: ۴۶

(۱۵) النساء،۴: ۸۰

(۱۶) النساء،۴: ۱۷۴

(۱۷) القزوینی، ابن ماجہ، محمد بن یزید، ابوعبداللہ، سنن ابن ماجه ، کتاب الفتن ، باب الوقوف عند الشبهات (دارالسلام للنشر والتوزیع الریاض، ۱۹۹۹ء) حدیث نمبر: ۳۹۸۴، ص: ۵۷۳

(١٨) البقرہ،٢: ١٦٨

(١٩) المائدہ،٥: ٣

(٢٠) البقرہ،٢: ٢٧٥

(٢١) المائدہ،٥: ٧٢

(٢٢) الاعراف،٧: ٣٢

(٢٣) جالندھری ، فتح محمد ، مولانا ، حاشیہ : القرآن الحکیم مع ترجمہ فتح الحمید(تاج کمپنی لمیٹڈ لاہور۔کراچی) ص:٢٤٩۔٢٥٠

(٢٤) الاعراف،٧: ٣٣

(٢٥) النساء،٤: ٢٣

(٢٦) ابن ماجہ، سنن ابن ماجه، كتاب الزهد ، باب الحياء، حدیث نمبر: ٤١٨٤،ص: ٦١٠

(٢٧) النور،٢٤: ٣٠،٣١

(٢٨) القرطبی، الانصاری، محمد بن احمد، ابوعبداللہ، الامام، الجامع لاحكام القرآن (بیروت ١٩٨٨ء) ١٤٨/٦

(٢٩) العلق ، ٩٦: ١۔٥

(٣٠) آل عمران،٣: ١٦٤

(٣١) الزمر،٣٩: ٩

(٣٢) المجادلہ،٥٨: ١١

(٣٣) القرطبی، الجامع لاحكام القرآن، ١٥٦/٨

(٣٤) ناصر، نصیر احمد، ڈاکٹر، اسلامی ثقافت، ص: ٥٦٧

(35) Ameer Ali, Syed, Spirit of Islam (Christophers 40 William IV Street London, W.C. 1955) P-361-62.

(36) Muhammad Saud, Islam and Evolution of science (Islamic Research Institute,International Islamic university Islamabad,1 edition:1986) p-10

(٣٧) آل عمران،٣: ١٠٤

(٣٨) البخاری، محمد بن اسماعیل، ابوعبداللہ، الجامع الصحيح ، كتاب الانبياء ، باب ماذكر عن بنی اسرائيل (دار السلام، الرياض، ١٤١٩ھ/١٩٩٩ء) حدیث نمبر: ٣٤٦١،ص: ٥٨٢

(٣٩) آل عمران،٣: ١١٠

(۴۰) **النیشا بوری، القشیر ی، مسلم بن حجاج**، الامام، الجامع الصحیح، کتاب الایمان، باب بیان کون النھی عن المنکر من الایمان (**دارالسلام، الریاض ۱۴۱۹ھ/۱۹۹۸ء**) **حدیث نمبر ۱۷۷**، ص: ۴۲

(۴۱) **الترمذی، محمد بن عیسیٰ، ابوعیسیٰ**، جامع ترمذی، ابواب الفتن، باب ماجاء فی الامر (**دارالسلام الریاض**، ۱۴۲۰ھ/۱۹۹۹ء) **حدیث نمبر**: ۲۱۶۹، ص: ۴۹۸

(۴۲) **احمد بن حجر، الشیخ**، تطھیر المجتمعات، ترجمہ: مولانا **نصیر احمد ملی** (**مکتبہ قدوسیہ**، لاہور، ۱۹۸۸ء) ص: ۲۴۸

(۴۳) **المائدہ**، ۵: ۷۸، ۷۹

(۴۴) **القرطبی**، الجامع لاحکام القرآن، ۳/۱۶۳

(۴۵) **البقرہ**، ۲: ۱۴۳

(۴۶) **ملک، غلام مرتضیٰ، ڈاکٹر، انوار القرآن** (**ملک سنز لاہور، طبع سوم**: ۱۹۹۶ء) ۱/۷۹

(۴۷) **محمد شفیع، مفتی، معارف القرآن**، ۱/۳۷۱

(۴۸) التین، ۹۵: ۲

(۴۹) الاسراء، ۱۷: ۷۰

(۵۰) **القرطبی**، الجامع لاحکام القرآن، ۵/۱۹۰

(۵۱) **محمد شفیع، مفتی**، معارف القرآن، ۵/۵۰۶

(۵۲) **ملک، غلام مرتضیٰ، ڈاکٹر**، انوار القرآن، ۱/۳۳۵

(۵۳) **المائدہ**، ۵: ۳۲

(۵۴) **المائدہ**، ۵: ۳۳

☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆